شذراتِ فکرِ اقبال میں سائنسی اشارات

صائمہ شکور

Saima Shakoor

Ph.D Scholar, Depaertment of Urdu,

Govt. College University, Faisalabad.

ڈاکٹر محمد ارشد اویسی

Dr. Muhamad Arshad Ovaisi

Head, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Iqbal was not only a great poet but also an unparalleled philosopher. His ideas and thoughts revolutionized the minds of people. "Shizrat-e-fikr-Iqbal" plays a pivotal role in understanding the intellectual evolution of Iqbal. It is the diary of Iqbal that was written in the mid year of 1910. It suggests that Iqbal had a longing for nature as well as he used to ponder over the physical and metaphysical phenomenons that found expression later in his poetry. This essay presents scientific reasoning of Iqbal with reference to Shizrat-e-fikr-e-Iqbal.

اقبال کی منتشر نگارشات کا مجموعہ جو ١٩١٠ کے درمیانی عرصہ کی ہیں اسے ''بیاض اقبال'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اقبال کی یہ بیاض ان کے ذہنی ارتقا کے متعلق انتہائی خاص معلومات فراہم کرتی ہے۔ موضوعات میں رنگارنگی اقبال کے ذہنی سفر کے تدریجی ارتقا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قارئین کی توجہ بھی اپنی طرف مبذول کرتی ہے۔ اقبال کی زندگی کے ایک خاص دور کے متعلق ان کے یہ چند شذرات جو محفوظ رہ گئے اصلاً انگریزی زبان میں ہیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے ان شذرات کو مرتب کیا اور مجوزہ عنوانات کی فہرست سے نواز کر اہتمام سے شائع کروایا۔ اقبال کی اس بیاض میں کل ١٢٥ اندراجات

ہیں۔ اگر اقبال کی بیاض کے سرورق کی تحریر کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اقبال نے اس کا نام Stray Thoughts تجویز کیا تھا تاہم بعد میں Thoughts کو قلم زد کر کے Reflection میں بدل دیا۔

اس بیاض کا آغاز اپریل ۱۹۱۰ء میں ہوا تمام خیالات اسی برس قلم بند کیے۔ اقبال کی یہ کتاب اصل اور مرتب کردہ دونوں صورتوں میں انگریزی زبان میں تھی اس لیے نیاز مندان اقبال اس سے زیادہ فائدہ نہ لے سکے۔ لہٰذا اس امر کی ضرورت کو محسوس کیا گیا کہ جس طرح اقبال کے دیگر نثری سرمایہ یعنی اس کے خطبات، تقریر اور مقالات وغیرہ کو اردو میں ترجمہ کیا گیا ان کو بھی اردو کے قالب میں ڈھالا جائے۔ زیرِ نظر کتاب مجلس ترقی ادب نے اپنی طباعتی پروگرام میں شامل کی، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور مجلس نے اس ترجمہ شدہ کتاب ''شذرات فکر اقبال'' کو دسمبر ۱۹۷۳ء لاہور سے شائع کیا۔ اس کا مقدمہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے تحریر کیا جو ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ انہوں نے اقبال کے ذہنی ارتقا اور فکری مآخذ پر مفصل بات کی۔ تعارف ڈاکٹر جاوید اقبال نے لکھا ۱۲۵ اندراجات کو عنوانات کے ساتھ ترجمہ کر کے شائع کیا گیا۔ اقبال کی ان تحریروں میں تنوع اور موضوعات کی رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ جن کی بدولت آنے والے سالوں میں ان کے ذہنی رجحانات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ عموماً اس عرصہ کو اقبال کا رومانوی دور کہا جاتا ہے کہ اس عرصہ میں ان کی شاعری کا سلسلہ بہ نسبت پہلے سے قدرے سست تھا، لیکن قیام یورپ اور اس کے بعد کے سالوں میں ان کے علمی و فکری کارناموں کا جائزہ لیں تو یہ اقبال کے ذہنی ارتقا کا اہم ترین دور تھا۔ جس کو محض ہم ان کا رومانوی یا ہیجانی دور نہیں کہہ سکتے۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی شذرات میں موضوعات کے تنوع کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اقبال کے ذہن کی توانائی، ہمہ گیری اور اخلاق کی جھلک نظر آئے گی۔ ان کا متحرک و متجسس ذہن مختلف زاویوں سے گرد و پیش کی زندگی کا مشاہدہ کرتا ہے اور فن ادب، سیاست، مذہب تہذیب، معاشرت غرض ہر شعبہ جات سے متعلق کوئی انوکھا، انفرادی تاثر پیش کر دیتا ہے لیکن ان بکھرے بکھرے خیالات کی مدھم لہروں کے دوش بدوش وہ پرجوش موجیں بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ فکر اقبال کے مرکزی دھارے کا بہاؤ کس رخ پر ہے۔'' (۱)

قیام انگلستان کا دور کئی حوالوں سے اقبال کے نظریات کے ارتقا کا دور تھا۔ اقبال کا شعور وطنیت، قومی اجتماعیت فلسفہ، سائنس کی بابت نہایت قوی ہوا۔ یورپ کے زمانہ میں لکھا گیا کلام اگرچہ رومانوی ہے مگر قیامِ یورپ کے دوران اگر اقبال کی مصروفیات کا اندازہ لگائیں تو اس زمانہ کو ہرگز رومانوی نہیں کہا جا سکتا۔ آپ نے اس عرصہ میں بیرسٹری کی تعلیم مکمل کی۔ کیمبرج سے بی۔ اے کیا، میونخ سے پی ایچ۔ ڈی کی، جرمن زبان سیکھی، عربی کے اتالیق کی حیثیت سے اپنے استاد آرنلڈ کی

معاونت کرتے رہے۔ تہذیب فرنگ کا عمیق نظر سے مشاہدہ کیا جس کی بدولت ان کے اندر عظیم ذہنی انقلاب برپا ہوئے۔ شذراتِ فکرِ اقبال، اقبال کے وسعت مطالعہ کا پتہ دیتے ہیں۔ اقبال کے یہ خیالات فکر اقبال میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ اقبال نے شذرات میں مسلم اور غیر مسلم مفکرین، فلسفیوں کا تذکرہ کیا جو ثابت کرتا ہے کہ اقبال کے فکری اور فنی دھاروں کا ماٰخذ کیا تھا۔ اقبال کا دیگر موضوعات کی طرح سائنس سے خصوصی لگاؤ تھا۔ یہاں اقبال کے ایسے شذرات پر بات ہوگی جہاں اقبال کا سائنسی شعور نظر آتا ہے۔ شذرہ بعنوان ''شاعری اور منطقی صداقت'' میں اقبال سائنسی صداقت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''شاعری میں منطقی صداقت کی تلاش فضول ہے تخیل کا نصب العین حسن ہے، نہ کہ صداقت، کسی شاعر کی عظمت کے ثبوت میں اس کے کلام کے وہ نمونے پیش نہ کیجئے جو آپ کی رائے میں سائنسی صداقت کے ترجمان ہیں۔'' (۲)

اقبال نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ سائنسی صداقت اور شاعرانہ تخیل دونوں الگ چیزیں ہیں۔ سائنس کا کام حقیقت کی تہ تک پہنچ کر نتائج مرتب کرنا ہے۔ لیکن تخیل حقیقت سے نظر چراتا ہے، من چاہا فیصلہ مرتب کرتا ہے، اس کے برعکس سائنس کو پھول کی خوبصورتی اتنا متاثر نہیں کرے گی تاہم اس کی نشوونما کا طریق، اس کے عناصر اس کی بناوٹ اس کے لیے زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ شاعر کے لیے ظاہری حسن ہی حقیقت ہے۔ وہ کیا، کیوں کے گورکھ دھندوں میں نہیں الجھتا اس لیے اقبال نے سائنس اور تخیل دونوں کی راہوں کا فرق بتا دیا کہ شاعر کی عظمت کو پرکھنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کلام کو سائنسی پیمانوں پر پرکھا جائے۔ اس ضمن میں اگر ان کے فن کی عظمت کو سمجھنا ہے تو اس کے تخیل کی بلند پروازی کو داد دینا ہوگی۔

ہر وہ شے جو مادہ پر مشتمل ہے جس کو دیکھا، چھوا اور پرکھا جا سکے سب طبیعیاتی علوم کے زمرے میں آتی ہیں۔ لیکن ایسی اشیا جو تجربہ گاہ میں پرکھی نہ جا سکیں، جن کو محسوس نہ کیا جا سکے یا جو کسی فرد کا محض داخلی تجربہ ہے، جو عقل انسانی اور تجربہ گاہوں سے ماورا ہو اس کا علم مابعدالطبیعیاتی (Meta Physics) ہے۔ اقبال کا اس موضوع سے گہرا لگاؤ تھا۔ آپ نے میونخ یونیورسٹی سے اپنی پی ایچ۔ڈی کی تکمیل کے لیے بھی ''ایران میں مابعدالطبیعیات کا ارتقا'' کے موضوع کو منتخب کیا۔ آگے چل کر اقبال کا شعور مزید پختہ ہوتا گیا لہٰذا اقبال مغربی مفکرین کے حوالے سے ''کانٹ'' (Kent) کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اس نے پہلی بار سوال اٹھایا کہ کیا مابعدالطبیعیات کا امکان ہے لیکن چند مفروضات کی بنا پر اس نے اس کا جواب خود ہی نفی میں دیا۔ اقبال کانٹ کے اس خیال کو غلط تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ اقبال کے نزدیک مابعدالطبیعیات کو مادی سوچ رکھنے والے سمجھ ہی نہیں سکتے اور اس پہلو سے نظر چرانا بھی ممکن نہیں ہے۔ اقبال ''مابعد الطبیعیات'' کے عنوان میں لکھتے ہیں:

''مجھے اعتراف ہے کہ مابعد الطبیعیات سے میں کچھ اکتا سا گیا ہوں لیکن جب کبھی لوگوں سے بحث کرنے کا اتفاق ہوتا ہے تو میں دیکھتا ہوں کہ ان کے دلائل ہمیشہ ایسے قضیوں پر مبنی ہوتے ہیں جنھیں وہ تنقید کے بغیر مان لیتے ہیں۔ لہٰذا میں ان قضیوں کی قدر و قیمت جانچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں مسائل کی تمام عملی صورتوں میں خوامخواہ نظری تحقیق کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مابعد الطبیعیات سے مطلق پیچھا چھڑانا ناممکن ہے۔''(۳)

جدید سائنس (Modern Science) مابعد الطبیعات کو شک کی نظر سے دیکھتی ہے اس کے متعلق موشگافیاں کرتی رہتی ہے۔ اقبال جدید سائنس کے اس رویے کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے ان پر حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ اقبال کے شذرہ بعنوان ''مابعد الطبیعات پر سائنس کا انحصار'' اس امر کو سامنے لاتا ہے کہ اقبال کا وسعت مطالعہ ان کو ہر علم کی اصل سے بھی جانکاری فراہم کرتا ہے۔ اقبال کا اعتراض یا اختلاف کسی بھی معاملے میں اعتراض برائے اعتراض نہیں ہوتا بلکہ آپ مکمل شعور وفہم اور دلیل کے ساتھ بات کرتے ہیں۔ اس شذرہ میں جدید سائنس کے نظریات کہ ''مادہ ایک قوت ہے'' اصل میں پہلے مابعد الطبیعیاتی علم ہی تھا جس کو بڑھ کر سائنس نے اپنے دامن میں کھینچ لیا۔ اقبال لکھتے ہیں:

''جدید سائنس کو مابعد الطبیعیات پر خندہ زن نہ ہونا چاہئے کیونکہ وہ لیبنز (1716-1646 Leibniz) جیسا ماہر مابعد الطبیعات ہی تھا جس نے سب سے پہلے سائنس کو مادے کا عملی تصور بخشا۔ اس کا قول کہ مادہ اصلاً قوت مزاحمت ہے مابعد الطبیعات سے یہ تصور مستعار لے کر سائنس نے اس قوت کے رویے کے مطالعے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ ظاہر ہے کہ سائنس اسے بذات خود دریافت نہ کر پاتی۔''(۴)

اقبال نے مابعد الطبیعات کی دوررس نگاہ اور سائنس کی کوتاہ نظری کو بڑے سلیقے سے اپنی بیاض میں قلمبند کیا۔ اقبال ''جدید سائنس اور جمہوریت'' کے عنوان میں جدید سائنس اور جمہوریت کے ساتھ طرزِ عمل پر اپنے خیال کو یوں تحریر کرتے ہیں:

''تصورات کا ایک دوسرے پر عمل و ردِعمل ہوتا ہے۔ سیاست میں انفرادیت پرستی کی بڑھتی ہوئی گرد معاصر سائنسی فکر پر اثر انداز ہوئے بغیر نہ رہی۔ فکر جدید کائنات کو زندہ جوہروں کی ایک جمہوریہ قرار دیتی ہے۔''(۵)

اقبال اس شذرہ میں تصورات کے حوالے سے سر آئزک نیوٹن (Isaac Newton) کے تیسرے قانون ''ہر عمل کا ردِعمل ہوتا ہے'' کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ تصورات کا بھی ایک دوسرے پر عمل (Act) اور ردِعمل (React) ہوتا ہے جمہوریت (Democracy) ایسا طرزِ حکومت ہے جس میں

عوام کے منتخب شدہ نمائندوں (Selected Representatives) کی حکومت ہوتی ہے، تاہم اقبال جمہوریت کو ایسا طرزِ حکومت ہی قرار دیتے ہیں۔ جس میں بندوں کو تولنے کی بجائے گنا جاتا ہے۔ بہر حال اقبال کے نزدیک سیاست میں جمہوریت کی بجائے انفرادیت پسندی کا رجحان زور پکڑ رہا ہے۔

اقبال نے کائنات کو زندہ جوہروں (Living Atoms) کی جمہوریہ قرار دیا ہے۔ سائنس اس بات کو ثابت کر چکی ہے کہ کائنات میں موجود ہر شے جوہر (Atom) سے مل کر بنتی ہے۔ ایٹم کسی بھی شے کی بنیادی اکائی ہے۔ یہ اس قدر چھوٹا کہ اسکی تقسیم ممکن نہیں ہے تاہم جدید سائنس نے ایٹم سے بھی چھوٹے عناصر دریافت کر لیے ہیں۔ انسانی جسم ہو یا کوئی بے جان سے ہر شے ایٹموں کا ہی مجموعہ ہے۔ گویا پوری کی پوری کائنات ایٹم سے ہی تشکیل پاتی ہے چونکہ ہر ایٹم اپنی آزادانہ حیثیت رکھتا ہے بالکل اسی طرح جمہوریت میں بھی ہر فرد کو آزادنہ اپنا حق رائے دہی استعمال کرنے کی آزادی ہوتی ہے۔

اقبال کے شذرات ان کے افکار اور ان کی ذہنی پختگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ زمانہ وہ زمانہ ہے جب اقبال نے یورپ میں تین سال کا عرصہ گزارا اور اس مغربی تہذیب کو بہت قریب سے دیکھا۔ بقول اقبال کہ یورپ کے عرصہ قیام نے مجھے مسلمان کر دیا ہے۔ شذرات کا زمانہ اقبال کا فکری دور ہے کہ لگتا ہے اقبال سائنس سے آشنا تو ہیں لیکن اس کی برتری کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ان کا رجحان مابعدالطبیعات کی طرف زیادہ تھا۔ ''لامحدودیت'' کے عنوان کے تحت ریاضی دان اور شاعر کے مابین لامحدودیت کی وضاحت کرتے ہیں:

> ''ریاضی دان کے ایک خط میں اتنی رسائی ممکن نہیں لیکن ایک شاعر کا ایک مصرع لامحدودیت سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔''(٦)

ریاضی میں خط یا لکیر لامحدودیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس خط کے دونوں سرے بڑھتے رہتے ہیں اور کہاں تک جائیں معلوم نہیں ہوتا اسی طرح قدرتی اعداد {....,1,2,3}=N لامحدودیت کے عکاس ہیں۔ اس کو ریاضی کی علامتی زبان میں (Infinity) "∞" سے ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اقبال کے نزدیک لامحدودیت (Infinity) ریاضی دان کے خط میں نہیں بلکہ شاعر کے ایک مصرع میں ہوتی ہے۔ کسی حد تک اقبال کا یہ گمان درست بھی ہے کیوں کہ ایسے شاعر تاریخ میں موجود ہیں۔ جن کے ایک شعری مصرع کی ہزاروں تشریحات ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی، گویا شاعر کا تخیل وہ سمندر ہے جس کی گہرائی میں اترنا ممکن نہیں یہ افق کا وہ کنارا ہے جو دور سے دیکھنے پر نظر تو آتا ہے مگر اس تک پہنچنے کی کوشش ہمیشہ ناکام رہتی ہے۔

اقبال اپنے عہد کی عظیم ایجادات اور علوم سے شغف اور واقفیت رکھتے تھے۔ شذرات ان کی فکر اور وسعت ذہن کا کھلا ثبوت ہیں۔ بیاض میں اقبال جگہ جگہ شاعر کا دیگر ماہرین علوم کے ساتھ موازنہ کرتے نظر آتے ہیں، کبھی بیان کرتے کہ سائنسی صداقت شاعری کو پرکھ نہیں سکتی اور کبھی لامحدودیت

شاعر کے مصرع میں ہوتی ہے نہ کہ ایک ریاضی دان کے خط میں۔ اب اقبال اپنا سلسلہ سخن نفسیات کی طرف موڑتے ہیں۔ یہاں بھی ایک ماہر نفسیات کی نسبت ایک شاعر کو زیادہ برتر تسلیم کرتے ہیں، ''ماہر نفسیات اور شاعر'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''ماہر نفسیات تیرتا ہے اور شاعر غوطے لگاتا ہے۔''(۷)

اقبال کا ذہن مسلسل ارتقا کے مراحل طے کرتا رہا اپنے ۱۹۲۹ء کے خطبات میں اقبال نے علم نفسیات اور اس کے نظریات پر کھل کر بات کی اور ثابت کیا کہ جدید علم نفسیات بھی انسانی ذہن کی صحیح ترجمانی کرنے سے قاصر ہے۔ اقبال اس شذرہ میں ماہر نفسیات کی پہنچ اور ایک شاعر کی رسائی کا فرق بیان کرتے ہیں۔ شاعر کو ''تلمیذ الرحمٰن'' کہا جاتا ہے۔ اسی لیے جہاں تک اس کا ذہن رسا ہو سکتا ہے ایک نفسیات دان وہاں تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ وہ کسی شے کی حقیقت کو جاننے کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر اس کا مطالعہ محض سطحی ہوتا ہے جس طرح سائنس صرف ان اشیا کو زیرِ مطالعہ رکھتی ہے جو مادہ پر مشتمل ہوں۔ جبکہ شاعر حقیقت کے سمندر کی غواصی کرتا ہے اور حقائق کے وہ موتی تلاش کر لاتا ہے جو اس سے قبل منظر عام پر نہ آئے ہوں۔ گویا تخیل زیادہ قوت آور ہے اس کی رسائی (Approach) لامحدود کہی جائے تو غلط ہوگا۔ اقبال کے عمیق مطالعہ کا نچوڑ تھا کہ جدید ماہرین نفسیات دماغ انسانی کی تشریح تو کر سکتے ہیں لیکن فطرت انسانی کی تشریح ان کے بس میں نہیں ہے۔ ''تشریحِ انسانی'' میں لکھتے ہیں:

''اگر آپ انسانی دماغ کی تشریح و تجزیہ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ ونڈ، وارڈ، جیمز یا سٹاؤٹ سے رجوع کریں لیکن انسانی فطرت کے بارے میں حقیقی بصیرت آپ کو صرف گوئٹے سے حاصل ہو سکتی ہے۔''(۸)

اس شذرہ میں اقبال نے ماہرین نفسیات اور ایک عظیم شاعر کا تذکرہ کیا ان میں ولیم میکس ونڈ (William Max Wundt 1832-1920) جرمن ماہر نفسیات اور ماہر افعال الاعضا (Phyziology)، جیمز وارڈ (James Ward) ماہر نفسیات استاد فلسفی، سر ولیم جیمز (Sir William James 1842-1910) جدید علم نفسیات کا بانی، ماہر افعال الاعضا اور ممتاز فلسفی، جارج فریڈرک سٹاوٹ (Goerge Fredrick Staut) انگریز فلسفی اور ماہر نفسیات چار عظیم ماہرین نفسیات کا ذکر کیا ہے جو اپنے فن کے استاد تھے اور تمام انسانی اعضا کے ماہر بھی تھے۔ اقبال ان کی علمیت کو تسلیم کرتے ہیں کہ بات صرف انسانی دماغ کی بناوٹ کی تشریح و توضیح کی ہو تو ان ماہرین کا علم بلاشبہ کمال کا ہے۔ لیکن فطرت انسانی کی تشریح یا دوسرے لفظوں میں دماغ میں آنے والے خیالات ان کا صحیح اندازہ لگانا ان ماہرین کی دسترس میں نہیں۔ وہ کس کی دسترس میں ہے اس کے لیے اقبال جرمن کے عظیم شاعر گوئٹے (Gothe) کی طرف روئے سخن کرتے ہیں۔ اقبال کی گوئٹے سے شناسائی کافی پرانی تھی، قیام یورپ میں جب ان کو جرمن زبان سیکھنے کے بعد باقاعدہ اس عظیم شاعر کو پڑھنے کا موقع ملا تو اقبال

اس کے تخیل، ندرت فکر، حسن آفرینی اور توازن سے ازحد متاثر ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال گوئٹے کا تذکرہ بار بار کرتے ہیں۔ انہی شذرات میں آٹھ شذرات میں گوئٹے کے متعلق بات کی گئی ہے۔ اقبال نے ۱۹۰۱ء میں اپنی نظم ''مرزا غالب'' میں گوئٹے کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے عظیم ہندوستانی شاعر مرزا اسداللہ خان غالب کے ہم پلہ قرار دیا۔

آہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے(۹)

اقبال کی نیازمندی اور محبت نے ہی گوئٹے کو صحیح معنوں میں دنیا کے سامنے روشناس کروایا۔ کیوں کہ انیسویں صدی کے آخر تک برصغیر میں گوئٹے کی شناسائی کے آثار بہت کم تھے۔ یوحان وولف کانگ خان گوئٹے Johan Wolfgang جرمنی کا باشندہ تھا جس نے عظیم ترین شاعر حقیقت کی حیثیت سے شہرت دوام حاصل کی۔ اقبال نے اس عظیم شاعر کی اہمیت کو عالمگیر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ محمد اکرم چغتائی اپنی کتاب ''گوئٹے بطور سائنسدان'' کے پیش گفتار میں لکھتے ہیں:

''یہ امر مسلمہ ہے کہ برصغیر میں علمی، ادبی اور تخلیقی سطح پر گوئٹے کو بھرپور طریقے سے متعارف کرانے کا سہرا علامہ اقبال کے سر ہے نہ صرف برصغیر بلکہ پوری اسلامی دنیا میں علامہ اقبال وہ واحد شاعر اور مفکر ہیں۔ جنھوں نے فکر وخیال کی لامحدودیت کا ادراک کیا اور وہ اسلامی تاریخ وادب کے ساتھ گوئٹے کے خصوصی لگاؤ سے شدید متاثر ہوئے، گوئٹے اور اقبال کے فکری اور شعری روابط کی اعلیٰ ترین مثال ''پیامِ مشرق'' ہے جو اسی اطالوی شاعر کے جواب میں لکھی گئی۔''(۱۰)

گوئٹے سے اقبال کی عقیدت کا سبب اس کی اسلام سے دلچسپی اور مشرقیت پسندی تھی۔ عام لوگ اس سے واقف نہیں ہیں کہ گوئٹے وہ مغربی شاعر تھا جو آنحضورﷺ کے مقام ومرتبہ سے آشنا تھا۔ اس ضمن میں گوئٹے کی مشہور نظم ''نغمہ محمدیؐ'' جس کا آزاد منظوم ترجمہ اقبال ''جوئے آب'' کے عنوان سے کیا۔ آپؐ کی بہترین مدح میں بہترین نعتیہ شاہکار تسلیم کیا جاتا ہے۔ گوئٹے کی نابغہ روزگار ہستی کو شاعر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے لیکن سائنس کے میدان میں اس کی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ یہاں پھر اقبال ہی کا نام آتا ہے کہ گوئٹے سائنسی اصطلاحات سے واقف تھے جو گوئٹے کی مشہور زمانہ تخلیق ''فاؤسٹ'' کے حصہ دوم میں شامل تھیں۔ محمد اکرم چغتائی لکھتے ہیں:

''علامہ اقبال ہی وہ واحد علمی شخصیت ہے جو شاید گوئٹے کی سائنسی تالیفات سے براہ راست متعارف تو نہیں تھے لیکن اس کی بعض بڑی تخلیقات میں استعمال ہونے والی سائنسی اصطلاحات سے آگاہ تھے چونکہ ان اصطلاحات کا مشرق کے سائنسی علوم سے گہرا تعلق تھا اس لیے اقبال جیسے مفکرین کے لیے ان کی تفہیم

سہل تھی۔‘‘(۱۱)

گوئٹے نے سائنسی میدان میں حیاتیات، ارضیات، بصریات اور روشنی میں گرانقدر کام کیا۔ اس کے سائنسی کام کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے سائنس کی ایک شاخ (Goethenian Science) کو گوئٹے کے نام سے منسوب کیا گیا۔ سائنس کی اس شاخ (Branch of Science) کا تعلق روشنی (Light) سے ہے۔ اقبال چونکہ گوئٹے کے مداح تھے اور اس کی شعری عظمت کے قائل تھے اس لیے انھوں نے اس کی فکر کو ماہر نفسیات کے علم سے برتر قرار دیا۔

اقبال جدید سائنس اور اس کے مضمرات سے آگاہ تھے۔ وہ جدید سائنس کا موجد مسلمانوں کو سمجھتے تھے۔ مغرب والوں نے جو بھی ترقی کی اس کی بنیاد مسلم حکما ہی کی محنت اور تحقیق تھی۔ اقبال راجر بیکن (Rogour Beacon) کا حوالہ دیتے ہیں۔ کیونکہ یہی وہ سائنس دان تھا جس نے مسلم حکما کے علم سے اکتساب فیض لیا اور پہلی بار مغرب میں تجرباتی سائنس (Experimental Science) کی بنیاد رکھی۔ اقبال مسلم فضلا کے کارناموں سے بھی آگاہ تھے اور یورپ نے کب اور کیسے ان سے استفادہ کیا اس سے بھی آگاہی رکھتے تھے۔ اصل میں ان تجرباتی سائنسی علوم کی بنیاد مسلمانوں نے ہی رکھی بعد ازاں مغرب دانوں نے اس کو اپنایا، ’’روزمرہ واقعات‘‘ کے عنوان میں لکھتے ہیں:

> ’’روزمرہ واقعات سے زیادہ معمولی اور کچھ بھی نہیں، تاہم انسان ان سے چشم پوشی کرتا رہا، حتیٰ کہ بیکن نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔‘‘(۱۲)

اقبال جرمن قوم، اس کے ادب اور اس کے لوگوں سے خاص انسیت رکھتے تھے۔ ان کی جرمن اتالیق ایما ویگنا سٹ سے ذہنی ہم آہنگی کی جھلک ان کے نام لکھے گئے خطوط سے نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ گوئٹے سے قلبی قربت جرمنی سے لگاؤ کی ایک اہم وجہ تھی۔ اقبال جرمن قوم کے لیے گوئٹے کی شہرہ آفاق تصنیف ’’فاؤسٹ‘‘ کو ان کی زندگیوں کا مقصد سمجھتے ہیں جبکہ اس کے برعکس سائنسی تصانیف کو بیکار کہہ رہے ہیں۔ اس ضمن میں ’’جرمن قوم کا روحانی نصب العین‘‘ کے عنوان کے تحت شذرہ میں لکھتے ہیں:

> ’’جرمن قوم کے روحانی نصب العین کی آئینہ دار گوئٹے کی ’’فاؤسٹ‘‘ ہے نہ کہ وہ کتابیں جو گلیلیائی ماہی گر کی تصانیف سمجھی جاتی ہیں اور اہل جرمنی اس حقیقت کا پورا شعور رکھتے ہیں۔‘‘(۱۳)

۱۹۱۰ء کے اوائل میں جب یہ بیاض لکھی گئی اس وقت اقبال کا جھکاؤ فطرت کی طرف زیادہ ہے تاہم تحقیق اور علمی کام بھی اس عرصہ میں بہت زیادہ کیے۔ اقبال تخیل اور فطرت کی بات کرتے نظر آتے ہیں اسی بنا پر اس عہد کو ان کا جذباتی، ہیجانی یا رومانوی دور کہا جا سکتا ہے کیونکہ ادب اور شاعری ان کو زیادہ متاثر کر رہی تھی۔ ادھر گوئٹے سے باقاعدہ شناسائی کے بعد اس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ اس

لیے اقبال اس کی تصانیف کو ہر لحاظ سے برتر تسلیم کرتے ہوئے جدید سائنس کے بانی گلیلیو گلیلی (Galileo Galilee 1564-1642) کی تصانیف کو اتنا اہم قرار نہیں دے رہے۔ گلیلیو کی سب سے اہم ایجاد دوربین تھی جس سے اس نے اجرام فلکی کا مشاہدہ کیا اور ایسے نئے حقائق سامنے لائے کہ اہل کلیسا اس کی جان کے دشمن ہوگئے۔ بیاض سے ہٹ کر آنے والے دور میں اقبال اس عظیم سائنس دان کے کارناموں کے معترف رہے، لیکن یہاں اقبال گوئٹے کی فاؤسٹ کو گلیلیو کے سائنسی کارناموں سے برتر مانتے ہوئے اس کو جرمن والوں کے لیے زندگی کا نصب العین قرار دیتے ہیں۔

اقبال فن کو لامحدود تصور کرتے ہیں کہ فن وہ واحد شے ہے جس کی کوئی حدود نہیں ہوتیں۔ یہ دراصل حسن اظہار کی شعوری کوشش کا نام ہے یا فرد کی صلاحیت جو خداداد طور پر اس کی ودیعت کی جاتی ہے۔ وہ فن کو تمام علوم پر برتری دیتے ہیں۔ ''فن ہی لامحدود ہے'' کے عنوان میں لکھتے ہیں:

''سائنس، فلسفہ، مذہب ان سب کی حدیں معین ہیں صرف فن لامحدود ہے۔'' (۱۴)

اقبال کے شذرات میں سائنس کا بھرپور اشارہ ۱۵ مئی ۱۹۱۰ء کے شذرہ میں ملتا ہے اس پر اقبال نے عنوان کی بجائے تاریخ کا اندراج کیا ہے۔ اقبال نے ''دم دار ستارے'' کا نظارہ کیا۔ یہ ستارہ کئی سالوں بعد ایک مرتبہ نظر آتا ہے۔ اقبال کے شذرہ کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال اس منظر کو لے کر انتہائی پر جوش تھے کہ انہوں نے قدرت کے اس اہم مظہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، بیاض میں لکھتے ہیں:

''کل صبح چار بجے کے قریب میں نے کرہ ارض کے اس عظیم الشان زائر کو دیکھا جو ''ہیلی کا دم دار ستارہ'' کہلاتا ہے۔ خلائے بسیط کا یہ پرشکوہ شناور پچھتر برس میں ایک مرتبہ ہمارے فضائے آسمان پر نمودار ہوتا ہے۔ اب میں دوبارہ اس کا مشاہدہ صرف اپنے اخلاف کی آنکھوں سے کرسکوں گا۔ میری ذہنی کیفیت بالکل انوکھی ہے۔'' (۱۵)

یہاں اقبال کا ذوق شوق ظاہر ہوتا ہے مگر وہ اس بات پر افسردہ بھی تھے کہ کائنات کے عظیم الشان زائر وہ پھر نہیں دیکھ سکیں گے۔ مزید لکھتے ہیں:

''مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی شے اپنی ناقابل بیان وسعتوں کے ساتھ میرے تنگ نائے وجود میں سما گئی ہے۔ تاہم اس خیال نے کہ میں اس آوارہ مسافر کو دوبارہ نہیں دیکھ سکتا اپنی ہیچ مقداری کی اندوناک حقیقت کا احساس دلایا۔ میرے تمام ولولے اس لمحے میں سرد پڑ گئے۔'' (۱۶)

کائنات ان گنت رازوں سے معمور ہے جن کی نقاب کشائی کا عمل صدیوں سے جاری ہے کچھ عناصر کی حقیقت کو پالیا گیا کچھ ابھی تک سربستہ راز ہیں، دم دار تاروں کا شمار بھی اسی طرح کے رازوں میں ہوتا تھا۔ تاہم جدید سائنس اب حقیقت کو پالینے کی طرف گامزن ہے۔ افلاک پر نظر آنے

والی چیزوں اور ہونے والی تبدیلیوں کو مذہبی پیشواؤں نے اپنے اپنے خداؤں سے منسوب کر رکھا تھا۔ دم دار تارے کا ظہور ہوا تو اس کی تعبیرات بھی مختلف ہونے لگیں، اولاً اسے بھوتوں پریتوں سے منسوب کیا جانے لگا، پھر دیوی دیوتاؤں کے غیظ وغضب سے۔ لہٰذا جب بھی یہ ستارہ نمودار ہوتا لوگوں پر دہشت طاری ہو جاتی وہ پختہ گماں رکھتے تھے کہ اب کوئی تباہی یا وبا یا بیماری کا حملہ ہونے والا ہے۔ ضعیف الاعتقادی کی اس فضا میں لوگوں کے وہم اکثر سچ ہو جاتے اس سے ان کا یقین مزید مستحکم ہو گیا کہ اس ستارے پر بری روحوں کا سایہ ہے۔ مذہبی پیشوا بھی ایسے خیالات لوگوں کے ذہنوں میں ڈالتے رہتے لہٰذا لوگ مذہبی اعتبار سے اس ستارے کو اپنے لیے ''بدفال'' تصور کرتے۔ اگرچہ اب وہ صورتحال نہیں رہی لیکن بڑے بوڑھوں میں اب بھی ضعیف الاعتقادی پائی جاتی ہے۔

دم دار تارے بہت تعداد میں پائے جاتے ہیں کچھ ہم سے قریب اور کچھ اس قدر دور ہیں کہ دوربین کے بغیر ان کا نظر آنا ناممکن ہے کچھ اتنے بڑے اور قریب ہیں کہ ان کا چمکدار موٹا سرا اور اس کے پیچھے بنی مدھم دم صاف دکھائی دیتی ہے۔

> ''دم دار تارے بڑے ہی خوشنما ہوتے ہیں ان کا سر نہایت چمکدار ہوتا ہے اور لمبی خوبصورت دم ساتھ ہوتی ہے۔ یہ تارے خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے سب کے سب سورج کے چاروں طرف گردش کرتے ہیں۔ ان کے راستے بیضوی شکل کے ہوتے ہیں اور اس قدر طویل کہ بعض تارے کو ایک گردش پوری کرنے میں سیکڑوں سال لگ جاتے ہیں۔''(۱۷)

سائنس دان اس بات کا کھوج لگا چکے ہیں کہ دم دار ستارے کے موٹے سرے میں لاتعداد چٹانی ریزے اور لوہے کے ذرات شامل ہوتے ہیں، ان ذروں میں گیس بھی شامل ہوتی ہے۔ جو اس مجموعے سے باہر آنے کی از خود صلاحیت نہیں رکھتی، یہ کروڑوں ذرات کا مجموعہ جب حرکت کرتا ہوا سورج کے قریب پہنچتا ہے تو سورج کی حدت اور روشنی سے کچھ گیس خارج ہو کر آزاد ہو جاتی ہے اور سورج کی روشنی اس کو چمک بخشتی ہے۔ سورج کی روشنی گیس کے ایٹموں کو اپنے اثر سے آزاد کر دیتی ہے اور اپنی شعاعوں کے ساتھ ان کو فضائے بسیط تک لے جاتی ہے۔ روشنی جیسی بھی ہو اس میں یہ قوت موجود ہوتی ہے کہ وہ ننھے ذرات کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے، لیکن یہ قوت بہت زیادہ نہیں ہوتی اس لیے اس کے ساتھ وہی ذرات جاتے ہیں جو کہ نہایت ہلکے ہوتے ہیں۔ دم دار تارے کا سورج کے قریب جانا اور گیس کا اخراج زمین سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ستارے کی دم نمودار ہوتی ہے۔ ناصر علی زیدی لکھتے ہیں:

> ''دم دار تارے کے سر میں جو ٹھوس ذرات پوشیدہ ہوتے ہیں وہ بھی غالباً بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ وہ فضا میں اسی صورت حرکت کرتے ہیں جس طرح شہد کی مکھیوں کا مہال۔ جب وہ سورج کے قریب آتے ہیں تو ان

میں پھنسی ہوئی گیسیں آزاد ہوجاتی ہیں اور دھوپ کی قوت اسے دور دور تک منتشر کر دیتی ہے۔ سورج کی روشنی کے زیر اثر جو چمکدار گیس برآمد ہوتی ہے اور دم دار ستارے کے پیچھے دھوئیں کی شکل میں جاری رہتی ہے وہ اس کی دم کہلاتی ہے اس کا حسن دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔" (۱۸)

اس دم دار تارے کی دریافت کا سہرا برطانوی سائنس دان ایڈمنڈ ہالی (Edmond Helley) کے سر ہے۔ اس نے 1682ء میں آسمان پر نئے نمودار ہونیوالے دم دار ستارے پر تحقیقات کیں۔ اس لیے اس کو ہیلی کا دم دار ستارہ (Helley's Comet) کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ اس نے ہیئت دانی کے علم کے سبب پیش گوئی کی یہ ستارہ قریباً ۷۵، ۷۶ برس بعد نمودار ہوا کرے گا۔ چنانچہ آنے والے وقت نے اس کی پیش گوئی درست ثابت کردی۔ حمید عسکری "نامور مغربی سائنس دان" میں دم تارے کے متعلق لکھتے ہیں:

"ہالی (Helley) نے اس ستارے کے متعلق حساب لگا کر بتایا تھا کہ یہ دنیا میں تقریباً ۷۶ سال کے بعد نمودار ہوتا ہے چنانچہ اس سے لے کر آج تک یہ ستارہ دوسری بار ۱۷۵۹ء میں تیسری بار ۱۸۳۵ء میں اور چوتھی بار ۱۹۱۰ء میں نمودار ہو چکا ہے۔" (۱۹)

اقبال نے "ہیلی کا دم دار تارے" کا نظارہ تب کیا جب وہ چوتھی بار آسمان پر نمودار ہوا۔ اس کے بعد ۹۹-۱۹۹۸ء کے سالوں میں بھی یہ ستارہ نمودار ہوتا رہا۔ راقمہ نے بھی اس کا مشاہدہ کیا ہے، چمکدار سرے کے ساتھ ایک مدھم لمبی دم کا خوبصورت ستارہ جس کو لوگ ملی جلی کیفیت (خوف، حیرانی) کے ساتھ دیکھا کرتے تھے۔ اقبال کی یہ بیاض جس میں صرف ایک سال کے خیالات ہی قلم بند ہیں، اقبال کی حیات کا سرمایہ ہیں اگر یہ سلسلہ جاری رہتا تو یقیناً اقبال کے افکار سمجھنے میں اور آسانی فراہم کرتا، بہرحال بیاض کے شذرات میں اقبال کے ذہنی ارتقا کا آغاز ہے۔ یہ سلسلہ بتدریج جاری رہا، انکے خیالات اور فکر میں زبردست انقلابات آتے رہے۔ جو ان کے دیگر کلام میں نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ صدیقی، افتخار احمد، ڈاکٹر، (ترجمہ) شذرات فکر اقبال، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء، ص:۲

۲۔ ایضاً، ص:۷۵

۳۔ ایضاً، ص:۸۰

۴۔ ایضاً، ص:۱۰۹

۵۔ ایضاً، ص:۱۱۰

۶۔ ایضاً، ص:۱۳۹

۷۔ ایضاً،ص:۱۵۴

۸۔ ایضاً،ص:۱۵٦۔۱۵۵

۹۔ محمد اقبال، کلیات اقبال، لاہور: اقبال اکیڈمی، ۲۰۱۳ء،ص:۵٦

۱۰۔ چغتائی، محمد اکرم، گوئٹے بطور سائنس دان، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۹۹ء،ص:۷

۱۱۔ ایضاً،ص:۷

۱۲۔ صدیقی، افتخار احمد، ڈاکٹر، شذرات اقبال،ص:۱۲

۱۳۔ ایضاً،ص:۱۱۴

۱۴۔ ایضاً،ص:۱۷۰

۱۵۔ ایضاً،ص:۷۲

۱٦۔ ایضاً

۱۷۔ ڈبلیو، میکسویل ریڈ (مترجم) سید علی ناصر زیدی، ستاروں کی دنیا، لاہور: کلاسیک بیرون لاہور، ۱۹۵۸ء،ص:۱۹

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ حمید عسکری، پروفیسر، نامور مغربی سائنس دان، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۰۷ء،ص:۲۸۳۔۲۸۲

☆......☆......☆